رُوداد نویسی

''رُوداد'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں احوال، حالات، سرگزشت، قصہ، ماجرا، واقعہ، کارروائی اور کیفیت وغیرہ جب کہ اصطلاحی طور پر رُوداد نویسی سے مراد کوئی اپنے کانوں سُنا یا کوئی چشم دید قصہ، ماجرا، واقعہ، کارروائی اور کیفیت وغیرہ کو احاطۂ تحریر میں لانا ہے۔

رُوداد نگاری کے موضوعات: (۱) معیّنہ (۲) غیر معیّنہ

- معیّنہ موضوعات سے مراد ہے طے شدہ تقریبات، جلسے، جلوس اور کھیل وغیرہ۔
- غیر معیّنہ موضوعات سے مراد اچانک رونما ہونے والے سانحات، حادثات اور واقعات کا احوال بیان کرنا۔

رُوداد نویسی کے لیے چند ہدایات

(۱) سب سے پہلے رُوداد کے موضوع کا تعارف کرائیں۔

(۲) تاریخ، دن، ہفتہ، مہینا وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔

(۳) تقاریب کی صورت میں اہم نکات بھی اختصار کے ساتھ بیان کیے جائیں۔

(۴) واقعہ کا بیان مبنی بر حقیقت ہونا چاہیے۔

(۵) متعلقہ شخصیات کا تعارف کرایا جائے۔

(۶) رُوداد کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔

(۷) رُوداد کے متن کی طوالت مناسب اور قاری کو کہیں بھی تشنگی محسوس نہ ہو۔

(۸) زبان و بیان میں سادگی اور روانی ہو۔ گنجلک اور پیچیدہ اسلوب سے گریز کیا جائے۔

(۹) زمانی اور مکانی ترتیب کو مدِ نظر رکھا جائے

(۱۰) رُوداد کا اختتام احسن انداز سے کیا جائے۔

۱ سالانہ قومی سیرت کانفرنس اسلام آباد کی رُوداد

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو وزارتِ مذہبی امور و بین الاقوامی ہم آہنگی کے زیرِ اہتمام قومی سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں ایک خصوصی سیشن دنیا بھر میں شائع ہونے والی کتبِ سیرت اور نعتیہ مجموعوں کے تخلیق کاروں کو قومی سیرت ایوارڈ زعطا کرنے کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ تقریباً دس دن پہلے مجھے وزارتِ مذہبی امور، اسلام آباد کی طرف سے خط ملا جس میں یہ خوش خبری درج تھی کہ میرا نعتیہ مجموعہ قومی سیرت ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ مَیں اور میرے بیوی بچے بہت خوش ہوئے اور ہم سب نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اُس نے اپنے حبیب خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے صدقے اتنی بڑی عزّت سے نوازا ہے۔ اسی خط کے ذریعے سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے یہ بھی تاکید کی گئی تھی کہ ایوارڈ وصول کرنے کے لیے کانفرنس کے انعقاد

سے ایک روز پہلے یعنی ۱۱ ربیع الاوّل کی دوپہر کو دیے گئے پتے کے مطابق اسلام آباد پہنچنا ہے۔ میں حسبِ پروگرام تاریخ کو وقتِ مقررہ پر اسلام آباد دفتر پہنچا تو وہاں موجود ایک افسر نے خوش دلی سے استقبال کیا۔ میرے قیام کا انتظام ایک وی آئی پی ہوٹل میں کیا گیا تھا جہاں میں نے ایک رات قیام کیا۔

اگلے روز صبح آٹھ بجے ایک گاڑی مجھ سمیت بہت سے مہمانوں کو لے کر پورے پروٹوکول کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں ہوئی۔ تقریباً چھے سات منٹ کی مسافت کے بعد گاڑی منزلِ مقصود پر پہنچی۔ ہم سب خوشی خوشی گاڑی سے اترے اور کانفرنس ہال کی جانب چل دیے۔ سیکورٹی کے حوالے سے ہماری باقاعدہ تلاشی لی گئی۔ دروازے پہ موجود اہل کار نے میرا دعوت نامہ غور سے دیکھا تو پہلی قطار میں مہمانوں کی نشستوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کانفرس ہال کو سرکارِ دوعالم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے میلادِ پاک کی نسبت سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی ایک پُرلطف آواز سماعتوں سے ٹکرائی اور دل و دماغ کو تسخیر کرتی چلی گئی۔ یہ دل کش آواز معروف شاعر مظفر وارثی کی تھی۔ ان کی مشہورِ زمانہ نعت ''میرا پیمبر عظیم تر ہے'' فضا کو پُرکیف بنا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صدرِ پاکستان دیگر مہمانوں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ اسٹیج سیکرٹری نے صدرِ پاکستان، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور اور دیگر مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہا۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد سرکارِ دوعالم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی شان میں گل ہائے عقیدت پیش کیے گئے۔

سب سے پہلے وفاقی وزیر برائے مذہبی امور نے خطاب کیا۔ انھوں نے تمام شرکا اور امّتِ مسلمہ کو عید میلاد النبی خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک باد پیش کی اور کانفرنس کی غرض و غایت بیان کی۔ اس کے بعد علمائے کرام نے اس مبارک دن کے حوالے سے دیے گئے خاص موضوع ''ماحولیاتی آلودگی اور ہماری ذمہ داریاں، سیرت النبی خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی روشنی میں'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اپنے مقالات پڑھے۔ موضوعِ سیرت چوں کہ منفرد نوعیت کا تھا اور حالاتِ حاضرہ سے مطابقت رکھتا تھا اس لیے تمام شرکا نے ہر مقالہ نگار اور مقرر کو نہایت توجہ سے سنا۔ کانفرنس کے آخر میں صدرِ پاکستان نے خطاب کیا۔ انھوں نے کانفرنس کے انعقاد پر انتظامیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس تقدیس کے حامل دن پر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور ملّتِ اسلامیہ کی سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی۔ انھوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سلامتی، خوش حالی اور ترقّی کے لیے بھی دعا کی۔ اپنے خطاب کے آخر میں انھوں نے موضوعِ سیرت کو سراہا، مقررین کو داد دی اور ایوارڈ کے لیے منتخب شاعروں اور ادیبوں کو مبارک باد دی۔ جناب صدر کے خطاب کے بعد قومی سیرت ایوارڈ کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا کہ صدرِ مملکت اپنے دستِ مبارک سے ایوارڈ تقسیم کریں گے اور اس سلسلہ میں وفاقی وزیر برائے مذہبی امور ان کی معاونت کریں گے، تو میرے دل میں عجیب سی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مجھے اس بات پر اطمینان تھا کہ مدحِ رسول خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر ایسے ہی عزّت افزائی ہونی چاہیے۔ پہلے مقالہ نگاری میں پوزیشن لینے والوں کو ایوارڈز دیے گئے۔ اس کے بعد نعت نگاری کے ایوارڈز کی تقسیم کا آغاز ہوا۔ دوسری باری میری تھی، میں نے صدرِ مملکت سے مصافحہ کیا، انھوں نے اپنے دستِ مبارک سے مجھے ایوارڈ دیا اور مبارک باد کہی۔ کانفرنس کا اختتام دعائے خیر سے کیا گیا اور تمام مہمانوں کی دوپہر کے کھانے اور چائے سے خاطر تواضع کی گئی۔ یہ شان دار تقریب مجھے عمر بھر یاد رہے گی۔

۲ ایک تفریحی مقام کی سیر کی رُوداد

ہم تمام اہلِ خانہ ہر سال موسمِ گرما کی تعطیلات میں وطنِ عزیز کے کسی صحت افزا تفریحی مقام کی سیر کرنے جاتے ہیں۔ اس مرتبہ موسمِ گرما کی چھٹیوں میں ہمارے سارے کنبے نے ملکۂ کوہسار مری کی سیر کا پروگرام بنایا۔ اپنی منزلِ مقصود کی طرف رُخ کرنے سے قبل ہم نے اپنے والدین کی ہدایات کے مطابق زادِ سفر تیار کیا۔ ابو نے بھائی وقار کے ساتھ جا کر ورکشاپ سے گاڑی کو ہر حوالے سے ٹھیک کرایا اور اس میں پٹرول بھی ڈلوایا۔ ہم ۱۰ر جولائی بروز پیر صبح سویرے تمام اہلِ خانہ کے ہم راہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

مری ضلع راولپنڈی کا ایک تاریخی تفریحی مقام ہے۔ راولپنڈی سے مری لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ یہ خوب صورت شہر سطحِ سمندر سے کافی بلند ہے۔ سڑک اتنی وسیع، کشادہ اور فراخ ہے کہ گاڑی اس پر فراٹے بھرتی چلی جاتی ہے۔ سڑک کے دونوں اطراف میں چیڑ اور صنوبر کے درخت دل کش منظر پیش کرتے ہیں۔ مری میں ہر سال اپریل سے نومبر تک موسم نہایت خوش گوار رہتا ہے لیکن یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اس شہر میں دسمبر سے مارچ تک ناقابلِ برداشت سردی پڑتی ہے۔ دسمبر کے آخری دنوں سے فروری کے ابتدائی دنوں تک کے دورانیے میں برف باری کا قوی امکان رہتا ہے۔ اس عرصے کے دوران میں برف باری کے نظارے خواہش مند سیّاح کوہِ مری کا رُخ کرتے ہیں اور برف باری کے حسین و جمیل مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ذکر ہو رہا تھا ملکۂ کہسار مری کی سیاحت کا، اس مرتبہ ہم سب افرادِ خانہ نے کوہِ مری کی سیر کے لیے جولائی کے جن دنوں کا انتخاب کیا، اُن دنوں اس شہر کا موسم بہت ہی اچھا تھا۔ وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی۔ مری کی مرکزی سڑک مال روڈ پر ہوٹل خیابان میں ہمارا قیام رہا۔ یہ ہوٹل جی پی او چوک سے دو سو گز آگے ایک خوب صورت محلِ وقوع میں اپنا ایک الگ ہی نظارہ رکھتا ہے۔ ہم نے اپنی تعداد کے مطابق اس ہوٹل کے دو کمرے کرائے پر لیے۔ کھانے پینے کی اشیا کے بارے میں یہ طے پایا کہ سیاحت کے دوران میں مختلف مقامات پر اس کا انتظام کر لیا جائے گا۔

ہم نے مری کے قیام کے دوران میں پنڈی پوائنٹ، کشمیر پوائنٹ اور باغِ شہیداں جیسے قابلِ دید مقامات کی سیر کی اور وہاں فوٹو گرافی بھی کی۔ ان خوب صورت مقامات کے علاوہ ہم نے گھڑیال کیمپ اور بھوربن جیسے دل کش مقامات بھی دیکھے۔ نیو مری میں چیئر لفٹ اور کیبل کار پر بھی اس خوب صورت شہر کے دیدہ زیب مناظر کا نظارہ کیا۔ پہاڑوں کے اوپر سے گزرتی کیبل کار سے زمین کا دل کش نظارہ سیاحوں کو حیران کر دیتا ہے۔ بلند و بالا درختوں اور فلک شگاف سرسبز پہاڑوں میں گھرا یہ شہر قدرت کا ایسا حسین شاہ کار ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اسی کے قریب گھوڑا گلی کے مقام پر مشہور و معروف لارنس کالج ہے جو طلبہ کی تعلیم و تربیت کا اہم مرکز ہے۔ یہ ایک اقامتی درس گاہ ہے جہاں ملک کے دور دراز علاقوں سے طلبہ تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے آتے ہیں اور اس عظیم دولت سے فیض یاب ہو کر ملک و قوم کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ مری کی شام کا نظارہ ناقابلِ فراموش ہوتا ہے۔ برقی قمقموں کی رنگا رنگ روشنیوں میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ یہ سحر انگیز منظر مدّتوں حافظے میں محفوظ

رہتا ہے۔ ہم نے اس مرتبہ ''لارنس کالج'' گھوڑا گلی دیکھا اور مری کی ہر صبح و شام سے بھی خوب خوب لطف اندوز ہوئے۔ ابّو جان اور امّی جان نے ہمیں مری کے ہر مقام کی تاریخی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ہمارے ابو (جو ایک کالج میں تاریخ کے استاد ہیں) نے ہمیں بتایا کہ انیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں انگریزوں نے مری میں بیس کیمپ بنایا تو اس سے شہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ انھوں نے آہستہ آہستہ اس شہر میں قدم جمانے کی کوشش جاری رکھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کو پسپائی ہوئی تو انگریزوں نے اس شہر پر مکمل قبضہ کرلیا۔ تاہم اس خطّے کے بہادر فرزندوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ آج بھی باغِ شہیداں میں ان جاں نثاروں کی قبریں موجود ہیں جو ان کی شجاعت اور دلیری کی گواہی دے رہی ہیں۔ حصولِ پاکستان کے لیے اہلِ مری کا کردار تاریخِ پاکستان کا ایک شان دار اور یادگار باب ہے۔ ۱۹۴۶ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اپنی چھوٹی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ہم راہ مری تشریف لائے اور مری کے معروف جی پی او چوک میں مری کے لوگوں سے خطاب کیا۔ یہ تاریخی واقعہ مری کے لوگوں کے لیے ہمیشہ یادر ہے گا۔

اپنے چھے روزہ قیام کے دوران میں ہم سب نے مری کے چپّے چپّے کی سیر کی اور اس سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ واقعی یہ شہر پاکستان کے خوب صورت ترین تفریحی مقامات میں سے ایک ہے۔ اسی لیے ہر موسم میں یہاں بیرونی ممالک اور ارضِ پاک کے مختلف شہروں سے آنے والے سیاحوں کا تانتا سا بندھا رہتا ہے۔ یہ سیاح، اس شہر کی یادیں سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ہم سب بھی اس شہر کی سیر سے ناقابلِ فراموش یادیں لے کر واپس اپنے شہر کو آ گئے۔

اب جب کبھی تنہائی میں ہمیں اس شہر کے خوب صورت مناظر یاد آتے ہیں تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ جلدی جلدی موسمِ گرما کی تعطیلات ہوں اور ہم ایک بار پھر مری جانے کا پروگرام بنائیں۔

۳ شجر کاری مہم کی تقریب کی رُوداد

ہر سال کی طرح اس سال بھی جولائی کے مہینے میں ہمارے کالج میں شجر کاری مہم کا آغاز ایک رنگا رنگ تقریب سے ہوا۔ کالج کے باغیچے میں شامیانے لگائے گئے تھے۔ خوب صورت اسٹیج تیار کیا گیا اور اساتذہ، طلبہ اور ان کے والدین کے لیے الگ الگ قطاروں میں کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ سرا ختر سعید نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے پرنسپل صاحب اور اساتذہ کرام کو اسٹیج پر تشریف فرما ہونے کے لیے کہا۔ اس کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلامِ پاک اور نعت رسولِ مقبول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے ہوا۔ سر اختر سعید نے تقریب کی غرض و غایت بیان کی اور بتایا کہ گزشتہ سال جتنے پودے لگائے گئے تھے وہ ابھی بھی سرسبز و شاداب ہیں اور تیزی سے پھل پھول رہے ہیں۔ ہم سکول میں آتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ان کی سرسبز شاخیں ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں خوش آمدید کہہ رہی ہوں، ہوا چلتی ہے تو یہ شاخیں یوں جھکتی ہیں گویا ہمارا شکریہ ادا کر رہی ہوں اور جب ہم کالج سے باہر جا رہے ہوں تو ہمیں الوداع کہتی

الوداع کہتی ہیں۔سراختر سعید نے اپنی اس خوب صورت گُفت گُو میں اس سال کی شجر کاری مہم میں لگائے جانے والے پودوں کے منصوبے کا بھی مفصّل ذکر کیا۔اس کے بعد ہمارے کالج کے پرنسپل صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی۔تمام طلبہ،اساتذہ اور مہمانوں نے کھڑے ہو کر تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال کیا۔پرنسپل صاحب نے سب سے پہلے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور اپنے خطاب میں شجر کاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں بتائیں۔شجر کاری کے فوائد بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ لفظ ''درخت'' چار حروف کا مجموعہ ہے۔پہلا حرف ''د'' دولت کی نشان دہی کرتا ہے،دوسرا حرف ''ر'' راحت کی،تیسرا حرف ''خ'' خدمت کی اور چوتھا حرف ''ت'' تجارت کی۔غور کیجیے! اگر ایک لفظ میں اتنے راز پوشیدہ ہیں تو خود درخت کتنی قدر و قیمت کا حامل ہوگا۔درخت ہر حوالے سے ہماری زندگی میں خوش حالی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ہمیں پھل، پھول،سبزہ،خوشبو، چھاؤں،عمارتی سامان،آرائش و زیبائش اور آلودگی وغیرہ سے بچاؤ جیسی نعمتیں درختوں سے حاصل ہوتی ہیں۔اپنی گفت گو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے پرنسپل صاحب نے کہا کہ اس وقت ہم فضائی،آبی،زمینی اور شور کی آلودگی جیسے مسائل کا شکار ہیں۔دھواں،خطرناک گیسیں،گرد و غبار،کوڑا کرکٹ،اور بدبودار ہواؤں جیسی ہر قسم کی آلودگی کا حل سرسبز و شاداب پودوں اور درختوں کی صورت میں موجود ہے۔درخت کسی بھی علاقے کی آب و ہوا کو خوش گوار بناتے ہیں اور ہر قسم کے موسموں کی شدّت کو خود برداشت کر کے لوگوں کو معتدل اور صاف ستھرا ماحول فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔مجید امجد کے بقول جی چاہتا ہے کہ:

اِس جلتی دھوپ میں یہ گھنے سایہ دار پیڑ
میں اپنی زندگی انھیں دے دوں جو بَن پڑے

درختوں کی بہتات سے ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافہ ہوتا ہے اور بارش کی وجہ سے فضائی آلودگی میں کمی آتی ہے۔وہ علاقے جہاں سیم اور تھور زیادہ ہو،وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیرِ زمین پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابلِ کاشت بن جاتی ہے۔پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظرِ فطرت کو پرکشش بناتے ہیں۔سبزہ مال مویشیوں کی خوراک بنتا ہے۔درختوں کی وجہ سے ریشم سازی،فرنیچر سازی اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر بے شمار پرندے گھونسلے بناتے، پرورش پاتے اور چہچہاتے ہوئے فطرت کی آواز بن جاتے ہیں،اس لیے انھیں بلاوجہ آگ میں نہیں جھونکنا چاہیے۔پرنسپل صاحب نے یہ شعر برمحل کہا:

کل رات جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

پرنسپل صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں تمام مہمانوں کی آمد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور پودے اگا کر شجر کاری کی مہم کا افتتاح کرنے کی دعوت دی۔تمام معزّز مہمانان،اساتذہ اور طلبہ پرنسپل صاحب کی قیادت میں کالج کے کھلے میدان کی جانب چل دیے،جہاں

چاروں طرف مختلف اقسام کے پودے موجود تھے۔ ان پودوں کو اگانے کے لیے بڑی محنت سے گڑھے کھودے گئے تھے۔ پرنسپل صاحب نے ٹرمینیلیا کا پودا اپنے ہاتھوں سے لگایا اور سب نے مل کر دعائے خیر کی۔ ٹرمینیلیا کا پودا اِس لحاظ سے منفرد ہے کہ جب یہ سبز پتوں سے بھر جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے اوپر نیچے کئی چھتریاں رکھ دی ہوں۔ کچھ مہمانوں نے پلکن، شیشم، نیم، بکائن اور فائکس وغیرہ کے پودے لگائے۔ طلبہ نے سکول کی دیواروں کے ساتھ ساتھ کونو کارپس کے پودے باڑ کے طور پر لگائے۔ اس پودے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بہت تیزی سے بڑھتا ہے اور ہر قسم کے موسم کی شدّت کو برداشت کر لیتا ہے۔ ہر پودے کے ساتھ ایک ایک فلیش کارڈ بھی آویزاں کیا گیا جس پر پودے کے نام کے ساتھ ساتھ اسے اگانے والے کا نام بھی لکھا گیا۔ طلبہ نے اس مہم کے کامیاب آغاز پر بڑی مسرّت کا اظہار کیا۔ طلبہ نے وعدہ کیا کہ گھروں کو واپس جاتے ہی اپنے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو بھی قائل کریں گے کہ انھیں اپنے گھروں میں پودے اگانے چاہییں تا کہ خوش گوار اور انسان دوست صحت افزا ماحول قائم کیا جا سکے۔

❁

۴ مہندی کی رسم کا آنکھوں دیکھا حال

پاکستان کے ہر صوبے اور ہر علاقے میں شادی بیاہ کی رسوم لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ صوبہ پنجاب میں شادی کی دیگر رسوم میں سے مہندی کی رسم بہت اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ برات سے ایک دن پہلے دُلھا اور دلھن کے اپنے اپنے گھروں میں مہندی لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بارات اگر مقامی ہو تو کبھی کبھی دُلھا والے دلھن کے گھر اور دلھن والے دُلھے کے گھر ڈھول کی تھاپ پر مہندی لے کر جاتے ہیں۔ اس رسم میں لڑکیاں خوب صورت لباس زیب تن کیے، ہاتھوں میں مہندی کے تھال اٹھائے مہندی کی رسم ادا کرتی ہیں۔ لڑکے ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہیں۔ بڑے بوڑھے بھی ان خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

پچھلے ہفتے میرے تایا زاد بھائی کی شادی تھی۔ برات چوں کہ دور دراز کے علاقے میں جانی تھی اس لیے دونوں گھروں نے برات سے ایک رات پہلے اپنے اپنے گھروں میں مہندی کا انتظام کر رکھا تھا۔ دُلھے کا گھر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ رنگ برنگی روشنیاں ہر کسی کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ میں بھی اپنی امّی اور بہنوں کے ساتھ دُلھا کی مہندی کی رسم میں شریک ہونے کے لیے پہنچ چکا تھا۔ یہ ایک رنگا رنگ اور پر رونق تقریب تھی۔ لڑکوں نے زرد رنگ کے پٹکے اپنے گلے میں ڈالے ہوئے تھے جب کہ لڑکیوں نے پیلے اور سبز رنگ کے خوب صورت لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ دُلھا نے سفید کرتہ پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں بھی زرد رنگ کا پٹکا تھا۔ دُلھا کی بہنیں اور ان کی سہیلیاں اس رسم میں اپنی بھرپور شرکت اپنے جوش و خروش سے ثابت کر رہی تھیں۔ دُلھا کو باقاعدہ مہندی لگانے سے پہلے دُلھا کی بہنوں اور ان کی سہیلیوں نے ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ ان کی دیکھا دیکھی لڑکیوں نے بھی ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پر مہندی اور شادی کے گیت گائے۔ جھومر اور لڈی رقص بھی پیش کیا گیا۔ سب نے مل کر خوب ہلاّ گُلاّ کیا۔ اس کے بعد دُلھا کو مہندی لگانے کی رسم شروع ہوئی۔ اسے ایک خوب صورت رنگین پیڑھے پر بٹھایا گیا جس کے

سامنے میز پر ایک پلیٹ میں مہندی اور مٹھائی رکھی گئی تھی۔ دُلھا کے ارد گرد لڑکوں اور لڑکیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ سب سے پہلے دُلھا کی امّی جان آئیں۔ وہ دُلھا کے سر سے پیسے وارنے کے بعد ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھیں، اپنے بیٹے کے ہاتھ پر مہندی لگائی اور اپنے ہاتھ سے اسے برفی کی ٹکڑی کھلائی۔ ان کے بعد میری امّی یعنی دُلھا کی چچی اور خالہ جان نے بھی مہندی لگائی۔ بڑی خواتین کے بعد دُلھا کی بہنوں اور ان کی سہیلیوں نے قہقہے لگاتے اور مبارک باد دیتے ہوئے باری باری یہ رسم ادا کی۔ مٹھائی کھا کھا کر دُلھا کا حال برا ہو رہا تھا۔ لڑکوں کی باری آئی تو ایک دوست نے حد ہی کر دی۔ اس نے پورا لڈو دُلھا کے منھ میں ڈال دیا اور وہ بے چارہ واش روم کی طرف دوڑتا پھرا۔ بزرگوں اور بڑے بوڑھوں نے دُلھا اور دلھن کو ڈھیروں دعائیں دیں۔ رسم کے اختتام پر سب لوگوں کی خاطر تواضع چٹ پٹے کھانوں سے کی گئی۔ نوجوانوں کو گول گپے اور پٹھورے بھی پیش کیے گئے۔ کھانے کے بعد بھی ہم لوگ وہیں موجود رہے اور ہلّا گُلّا کرتے رہے۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہا اور تو یہ خوب صورت تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

❁

۵ ایک میلے کی رُوداد

عام طور پر کسی تہوار، صوفی بزرگ کے عرس یا رسم کے طور پر مقررہ تاریخوں پر میلے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ میلے کسی قوم کی تہذیب و معاشرت، روایات اور ثقافت کے عکاس ہوتے ہیں۔ میلے میں لوگ رنگ و نسل، اونچ نیچ، غریبی امیری، زبان و بیان اور علاقائیت کی تفریق سے بالاتر ہو کر ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ کچھ میلے اتنے یادگار ہوتے ہیں کہ سارا سال ان کے انعقاد کا انتظار کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی ایک میلا ہر سال مارچ کے آخر میں مشہور بزرگ حضرت مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر منعقد ہوتا ہے، جسے میلا چراغاں بھی کہا جاتا ہے۔

بچپن میں اپنے والد صاحب کے ساتھ میں ہر سال کسی نہ کسی میلے میں ضرور جایا کرتا تھا لیکن پچھلے سال مارچ کے مہینے میں میلا چراغاں میری زندگی کا یادگار میلہ بن گیا۔ میں نے میلا چراغاں کے بارے میں بہت سن رکھا تھا۔ اخباروں میں جب اس کے بارے میں پڑھتا اور ٹیلی وژن پر اس کے متعلق پروگرام دیکھتا تو میرے دل میں اس میلے میں جانے کی آرزو جاگتی۔ بالآخر میں نے یہ میلا دیکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میلے میں شرکت کے لیے میں نے کالج سے دو چھٹیاں لیں۔ ملتان سے لاہور تک کا سفر میں نے ریل گاڑی میں سوار ہو کر کیا اور تین گھنٹوں میں ریلوے اسٹیشن، لاہور پہنچا۔ یہاں میرا چچا زاد طارق میرے ساتھ میلے میں جانے کے لیے موٹر سائیکل پر آیا ہوا تھا۔ چناں چہ میں اور طارق موٹر سائیکل پر میلے میں پہنچے۔ سیکڑوں لوگ بسوں، کاروں، رکشوں اور دیگر سواریوں پر میلے کی طرف رواں دواں تھے۔ لوگوں کی بیسیوں ٹولیاں بھی میلہ دیکھنے کے لیے پیدل جا رہی تھیں۔ میلے کے مقام پر پہنچتے ہی لاؤڈ سپیکروں کے شور، ڈھول کی تھاپ، بلند آواز میں ریکارڈنگ اور دور دور تک قائم عارضی دکانوں نے ہمارا جوش و خروش سے استقبال

کیا۔ بچے، جوان اور بوڑھے حیرانی سے اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہے تھے۔ دکانوں پر مٹھائیاں، پھل پھول، کھلونے اور تبرّکات کے لیے اشیا رکھی ہوئی تھیں۔ صوفیہ کرام کے کلام اور فرامین کی کتابوں کے علاحدہ اسٹال موجود تھے۔ میلے میں دستی رومال سے لے کر زرعی آلات تک سامان موجود تھا۔ خواتین کے لیے چوڑیوں اور زیورات کی دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ مرد و خواتین اپنی اپنی پسند کی خریداری کر رہے تھے۔ میں اور طارق میلے میں ایک عارضی ٹی سٹال پر رکے۔ طارق ساتھ والی دکان سے پکوڑے، سموسے اور پیسٹریاں لے آیا جنھیں ہم نے گرما گرم چائے کے ساتھ کھایا۔ اونچی آواز میں مقبول دھنیں اور گیت پیش کیے جا رہے تھے۔ جو لوگ دور دراز سے میلہ دیکھنے آئے تھے وہ ہوٹلوں کا رخ کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے ہوٹلوں پر خاصا رش تھا۔

بندر والے کی ڈگڈگی، بندر کا پھُدکنا، عجیب و غریب حرکتیں کرنا، سسرال کے گھر جانا اور اکڑ اکڑ کر چلنا ہنسی کا سامان فراہم کر رہا تھا۔ دوسری طرف بازی گر کے کرتب اور مداری کی شعبدہ بازیاں دیکھ کر ہر شخص اپنے غموں کو بھلا کر خوش ہو رہا تھا۔ جادوگر پھٹا ہوا رومال جوڑ رہا تھا، ٹوپی سے کبوتر نکال رہا تھا اور چھڑی سے چھتری بنا رہا تھا۔ بازی گر پانچ گیندیں بیک وقت فضا میں اچھال رہا تھا، باریک رسی پر چل رہا تھا اور آگ کے گولے کے اندر سے پھلانگ رہا تھا۔ یہ سب کھیل تماشے ہو ہی رہے تھے کہ لوگوں کی توجہ گھوڑے کے رقص نے اپنی طرف کھینچ لی۔ اتنے میں گھڑ دوڑ کا باقاعدہ اعلان ہونے لگا۔ تمام لوگ کھلے میدان کی طرف لپکے۔ میں اور طارق بھی فوراً ہی اس طرف چل دیے۔

گھڑسوار پنجاب کے روایتی لباس میں ملبوس تھے۔ پٹاخے کی آواز پر گھوڑوں کی دوڑ شروع ہوگئی۔ میدان میں دھول اڑ رہی تھی۔ سب لوگ پورے انہماک سے گھوڑوں کو دوڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک گھوڑا یہ دوڑ جیت گیا جس کی خوشی میں باجے بجائے گئے۔ اس میدان میں شکاری کتوں کے مصنوعی خرگوش کے پیچھے دوڑنے کو بھی لوگوں نے بہت دلچسپی سے دیکھا۔

میلے میں دو مقامات پر موت کا کنواں دیکھنے کے لیے لوگ قطاروں میں کھڑے تھے۔ تھیٹر پر بھی بے تحاشا رش تھا لیکن لکی ایرانی سرکس کی اپنی ہی شان تھی۔ میں اور طارق ٹکٹ خرید کر سرکس دیکھنے کے لیے ایک بہت بڑے شامیانے میں داخل ہوئے۔ اندر ایک الگ ہی سماں تھا۔ ایک بہت بڑا دائرہ جس کے بیرون میں لوگوں کے لیے نشستیں لگی ہوئی تھیں اور دائرے کے اندر ہاتھی، شیر اور گھوڑے کے کرتب دکھائے جا رہے تھے۔

شام ڈھلتے ہی حضرت مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہزاروں قمقمے اور چراغ روشن کر کے پورے ماحول کو پُرنور کر دیا گیا۔ زمین سے آسمان تک روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ رات میں دن کا سماں پیدا ہو گیا۔ رات کو جب محفلِ نعت اور محفلِ سماع کا اہتمام ہوا تو اس پرنور ماحول کو چار چاند لگ گئے۔ مجھ سمیت تمام حاضرین و زائرین پر روحانی کیفیت طاری تھی۔ میں نے پوری رات دربار میں محفلِ نعت اور محفل سماع میں اپنے دل کو گرمایا، نمازِ تہجُّد اور نمازِ فجر وہیں ادا کی اور سورج طلوع ہونے پر طارق کے ساتھ چچا جان کے گھر

آ گیا۔میلہ چراغاں کی رونق اگرچہ تین دن تک جاری رہتی ہے لیکن مجھے دو چھٹیوں کے بعد کالج حاضر ہونا تھا اس لیے میں نے چچا جان کے گھر سے ناشتا کر کے واپس ملتان کی راہ لی۔ مجھے یہ میلہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

❁

۶ یومِ آزادی کی رُوداد

ہمارے کالج میں قومی اور مذہبی تہوار بڑے جوش وجذبے سے منائے جاتے ہیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی یومِ آزادی کی تقریب روایتی جوش وخروش سے منعقد ہوئی۔ ہمارے کالج کی پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر نجم الصباح نے دو ہفتے قبل ہی اس تقریب کے اہتمام کا اعلان کر دیا تھا اور نوٹس بورڈ پر بھی اس کا اطلاع نامہ چسپاں کرا دیا تھا۔کالج میں وسیع پیمانے پر اس کے تیاریوں کا آغاز ہو چکا تھا۔راہداریوں اور برآمدوں کو رنگ برنگ جھنڈیوں سے سجایا جانے لگا تھا۔اس موقع پر کوئز شو،تقریری مقابلوں اور ملّی نغموں کا مقابلہ اور ٹیبلو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ان تقریبات کا انچارج محترمہ ڈاکٹر شاہدہ عزیز کو بنایا گیا تھا۔

یومِ آزادی کی صبح کالج کی اندرونی اور بیرونی زیب وزینت اور آرائش دیدنی تھی۔تمام طالبات وقت سے پہلے ہی کالج پہنچ گئی تھیں۔کالج کے ہال کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔اسٹیج کی پچھلی دیوار پر یومِ آزادی کا بینر دل کش تحریر کے ساتھ آویزاں تھا۔باقی دیواریں بھی قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات،علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار اور تحریکِ پاکستان کے قائدین کی تصاویر سے سجی تھیں۔ٹھیک دس بجے اسٹیج سیکرٹری پروفیسر عائیلہ ساجد نے مائیک سنبھالا اور اعلان کیا کہ پرنسپل صاحبہ تشریف لا رہی ہیں،وہ آج کی تقریب کی صدارت فرمائیں گی۔چند لمحوں بعد ہی محترمہ پرنسپل صاحبہ ہال میں تشریف لے آئیں۔ان کے ہمراہ دیگر اساتذہ بھی تھیں۔طالبات نے ان سب کا تالیوں کی گونج میں استقبال کیا۔تمام معزز مہمانان اپنی اپنی نشستوں پر تشریف فرما ہوئے۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔یہ سعادت سالِ اوّل کی طالبہ عائزہ اعجاز نے حاصل کی۔اس کے بعد نعتِ رسولِ مقبول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے لیے سالِ دوم کی طالبہ ماہ نور کو مدعو کیا گیا۔اس کی عقیدت بھری آواز شرکائے تقریب کے دلوں میں گھر کر گئی۔تلاوت اور نعت کے بعد صدرِ محفل کی اجازت سے ملّی نغموں کا مقابلہ شروع کیا گیا۔کالج کی سات لڑکیوں نے اس مقابلے میں بھرپور حصّہ لیا اور اپنے فن کے جوہر دکھائے۔اس مقابلے میں سال دوم کی طالبہ اُروٰی نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ملّی نغموں کے بعد ''تحریکِ پاکستان میں طلبہ کا کردار'' کے موضوع پر تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔تین طالبات نے اس میں حصہ لیا۔انھوں نے تحریکِ پاکستان میں طلبہ کے کردار پر روشنی ڈالی اور محترمہ فاطمہ جناح کے کردار کو بھی سراہا۔انھوں نے عہدِ حاضر کے طلبہ کو اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کا مشورہ دیا۔اس مقابلے کو سال اوّل کی طالبہ جویریہ نے جیتا۔کوئز مقابلے میں دس طالبات نے حصہ لیا۔اس مقابلے میں تحریک پاکستان کی تاریخ کے بارے میں سوالات کیے گئے۔سالِ دوم کی طالبہ مریم زمانی اوّل پوزیشن کی حق دار ٹھہری۔اب ٹیبلو شو کی باری تھی۔طالبات نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم ''ماں کا خواب'' کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا جسے

تمام حاضرین نے بہت سراہا۔ اس کے علاوہ وادیِ کشمیر کی آزادی کے متعلق بھی طالبات کی پرفارمنس کو بہت داد ملی۔ تقریب کے آخر میں پرنسپل صاحبہ نے صدارتی خطبہ دیا۔ انھوں نے انتظامیہ اور طالبات کو شاباش دی۔ اپنے خطاب میں انھوں نے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کو خراجِ تحسین پیش کیا اور خطاب کے بعد مقابلوں میں پوزیشن لینے والی طالبات میں انعامات تقسیم کیے۔ تقریب کے اختتام سے پہلے پاکستان کا قومی ترانہ بجایا گیا جس کے احترام میں تمام شرکا کھڑے ہو گئے۔ اس طرح یہ تقریب تین گھنٹے جاری رہنے کے بعد بخیر و خوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔

❁

۷ ایک دل چسپ ہاکی میچ کی رُوداد

مشہور قول ہے: ''صحت مند دماغ صحت مند جسم میں ہوتا ہے۔'' اپنے جسم کو صحت مند، مضبوط اور چست بنانے میں کھیلوں کا بہت اہم کردار ہے۔ یہ جسمانی ورزش کا بہترین ذریعہ ہیں۔ کھیل دو قسم کے ہوتے ہیں: پہلے وہ جن کا تعلق اتھلیٹکس سے ہے، مثلاً کشتی، دوڑ، جمپنگ، باکسنگ، جوڈو کراٹے وغیرہ اور دوسرے وہ جو ایک سے زیادہ کھلاڑی مل کر یعنی ٹیم بنا کر کھیلتے ہیں، مثلاً رسہ کشی، کبڈی، والی بال، فٹ بال، بیڈمنٹن، کرکٹ اور ہاکی وغیرہ۔ ان سب کھیلوں میں ہاکی دو باتوں کی بنا پر بہت اہم ہے، پہلا یہ کہ ہاکی پاکستان کا قومی کھیل ہے اور دوسرا یہ کہ پاکستان ہاکی کے میدان میں اولمپکس، ورلڈ کپ اور چیمپئن ٹرافی جیسے دنیا کے بڑے اعزازات جیت چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ ہاکی کے کھیل میں بہت دل چسپی رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہاکی کا میچ ہو، بے شمار لوگ دیکھنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ پچھلے سوموار میں نے کالج کے نوٹس بورڈ پر پڑھا کہ تین دن بعد یعنی بروز جمعۃ المبارک ہمارے کالج کی ہاکی ٹیم کا مقابلہ تحصیل گوجرہ کے ایک کلب کی ہاکی کی ٹیم سے ہونے جا رہا ہے اور اس کے لیے فیصل آباد ہاکی اسٹیڈیم کا انتخاب کیا گیا ہے۔ میرے دل میں جوش و ولولہ پیدا ہوا۔ میں جانتا تھا کہ گوجرہ کے بے شمار کھلاڑی پاکستان کی قومی ہاکی ٹیم کا حصہ رہے ہیں، اس لیے مجھے یقین تھا کہ ہمارے کالج کے مقابلے میں یہ ٹیم بھی اعلیٰ کارکردگی کی حامل ہوگی۔ میں اس میچ کے انتظار میں تین دن بہت متجسّس رہا۔

آخر جمعۃ المبارک کا دن آ گیا۔ میں نمازِ جمعہ ادا کر کے فوراً اسٹیڈیم کی جانب روانہ ہوا۔ اور بیس منٹ کے بعد ہاکی سٹیڈیم پہنچ گیا۔ اسٹیڈیم ہمارے کالج کے طلبہ اور گوجرہ سے آئے ہوئے لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہ لوگ میچ دیکھنے کے لیے مجھ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد میچ کے دونوں ریفری اور مخصوص یونیفارم میں ملبوس دونوں ٹیمیں میدان میں آ گئیں۔ شہر کے ڈپٹی کمشنر بطور مہمانِ خصوصی تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ میدان میں تشریف لائے اور دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں سے مصافحہ کیا۔ انھوں نے کھلاڑیوں کے ساتھ گروپ فوٹو بھی بنوائے۔

کھیل کا آغاز سہ پہر کے وقت ٹھیک تین بجے ہوا۔ ریفری نے میچ شروع کرنے کے لیے سیٹی بجائی۔ دونوں ٹیموں کے سنٹر فارورڈ میدان کے مرکز میں آمنے سامنے آ گئے اور تالیوں کی گونج میں کھیل کا آغاز ہو گیا۔ گوجرہ کے کھلاڑیوں نے شروع ہی سے

جارحانہ انداز اپنایا۔ ہمارے کھلاڑی میچ کے شروع میں قدرے سُست تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی تیزی آتی گئی۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں میں گویا عقابی روح بیدار ہوگئی اور انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف تابڑ توڑ حملے کرنے شروع کر دیے۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑی تندرست وتوانا اور چاق چوبند تھے۔ ہماری ٹیم کی فارورڈ لائن کم زور تھی لیکن ہمارا دفاع بہت مضبوط تھا۔ یہی وجہ تھی کی گوجرہ کی ٹیم کی گول کرنے کی ہر کوشش کو ہمارے فل بیک اور گول کیپر نے ناکام بنایا۔ ہاف ٹائم سے دو منٹ پہلے ہماری مخالف ٹیم کا سنٹر فارورڈ ہمارے کھلاڑیوں کو چکمے دیتا ہوا گیند کو گول تک لے گیا۔ ہمارے گول کیپر نے حملہ بڑی مہارت سے بچا لیا لیکن گول پوسٹ سے واپس ہوتے ہی گیند اُن کے رائٹ اِن نے دبوچ لی اور پلک جھپکتے ہی گول کر دیا۔ ہماری تو جیسے سٹّی گم ہوگئی لیکن مخالف ٹیم کے حامیوں نے دل کھول کر اپنے کھلاڑیوں کو داد دی۔ اس کے ساتھ ہی ہاف ٹائم کی سیٹی بج گئی۔

وقفے کے دوران میں کھلاڑیوں کو دودھ، سیب اور کیلے پیش کیے گئے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ دس منٹ کے وقفے کے بعد کھیل دوبارہ شروع ہوگیا۔ ٹیموں نے میدان میں اپنی سائیڈز تبدیل کر لی تھیں اور ساتھ ہی ان کے حمایتی بھی اپنی نشستیں تبدیل کرنے لگے۔ دوسرا ہاف بڑے جوش وخروش سے شروع ہوا۔ ہمارے کھلاڑیوں نے اس ہاف کا جارحانہ آغاز کیا۔ ہماری فارورڈ لائن نے بار بار گول کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ اسی اثنا میں مخالف ٹیم کے سنٹر فارورڈ نے گیند کو اپنے قابو میں کیا اور بال اپنے قابو میں کر کے ہماری ٹیم کے چار کھلاڑیوں کو چکمہ دیتے ہوئے ایک اور گول کر دیا۔ اب تو ہمارے اپنے حوصلے پست ہونے لگے لیکن ہمارے کھلاڑیوں نے ہمت نہ ہاری۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ہماری ٹیم کو ایک پینلٹی کارنر مل گیا جس کے نتیجے میں ہمارے فل بیک ماجد رشید نے گول کر دیا۔ ہماری جان میں جان آئی اور ہم نے بھرپور تالیوں سے اپنے کھلاڑیوں کا حوصلہ بڑھایا۔ کچھ لمحوں بعد ہمارے سنٹر فارورڈ عبداللہ نے ایک اور تیز حملہ کیا، مخالف ٹیم کے کھلاڑی کا ان کے گول پوسٹ کے قریب فاؤل ہو گیا تو ریفری نے پینلٹی اسٹروک کے لیے سیٹی بجا دی۔ اب تو ہمیں یقین ہو گیا کہ میچ برابر ہو جائے گا اور یہی ہوا۔ ہمارے فل بیک ماجد رشید نے دوسرا گول کر کے میچ برابر کر دیا۔ داد وتحسین کے لیے طلبہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مخالف ٹیم کے کھلاڑی پریشان نظر آنے لگے۔ انھیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کالج کی ٹیم ایسا کھیل بھی پیش کر سکتی ہے! شاید ان کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد انھیں لے ڈوبا تھا۔ میچ اب اپنے عروج پر تھا اور اختتامی لمحے قریب آ رہے تھے۔ ہمارے سنٹر ہاف امجد کے پاس گیند آیا تو اس نے کسی دوسرے ساتھی کھلاڑی کو پاس دینے کے بجائے خود آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ گیند کو اپنے قابو میں کرتا ہوا، مخالف کھلاڑیوں سے بچتا بچاتا نہایت پھرتی سے مخالف ٹیم کے گول پوسٹ تک پہنچ گیا اور گول کیپر کو چکمہ دے کر گول کر دیا۔ پھر کیا تھا، ہنگامہ، شور، نعرے بازی، بھنگڑے۔ میچ پھر سے شروع ہوا۔ ہمارے کھلاڑی بھرپور دفاع کرنے لگ گئے۔

مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کے بھرپور حملوں کے باوجود گول نہ ہونے دیا۔ آخر کار ریفری نے میچ کے اختتام کی سیٹی بجائی۔ باہر بیٹھے تمام طلبہ ہاکی کے میدان میں داخل ہو گئے اور خوشی سے اپنے کھلاڑیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ یوں ایک سنسنی خیز مقابلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہ میچ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔